دینی تعلیم کا رسالہ
جدید ایڈیشن
دینی تعلیم کا رسالہ
اداره فیضانِ حضرت گنگوہی رح
نمبر 5
مصنف
حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ سابق ناظم، جمعیۃ علماء ہند
منظور کردہ
مرکزی دینی تعلیمی بورڈ، جمعیۃ علماء ہند
الجمعیۃ بکڈپو
گلی قاسم جان، بلیماران، دہلی-۶

عید اللہ علی الجماعۃ

دینی تعلیم کا رسالہ

نمبر ۵

سالِ سوم کی دوسری سہ ماہی کیلئے

شائع کردہ

الجمعیۃ بُک ڈپو۔ گلی قاسم جان دہلی ۶

قیمت

باب سوم

سیرتِ پاک

اِسلام کی ترقی

تیسرے نمبر میں پڑھ چکے ہو کہ جو مسلمان ہوتے تھے اُن کو ایسا ستایا جاتا تھا کہ اُس کے بیان سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ لیکن اسلام کی فطرت میں قدرت نے کچھ ایسی لچک رکھی ہے کہ جتنا اُس کو دبایا گیا اُتنا ہی وہ اُبھرا سچائی گویا سونا ہوتی ہے۔

مصیبتوں کی بھٹی میں جتنی تپتی ہے اُتنی ہی نکھرتی ہے۔

حضرت حمزہ کا مسلمان ہونا

ایک روز ایسا ہوا کہ حرم شریف میں ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں رُو در رُو بہت گستاخیاں کیں

حضرت حمزہ، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے مگر عمر میں صرف دو برس بڑے تھے، لڑکپن میں ساتھ ساتھ کھیلتے تھے۔[1]

مکّہ کے مشہور بہادروں میں گِنے جاتے تھے، آپ کو شکار کا بہت شوق تھا، صبح سویرے تیر کمان لے کر نکل جاتے دن بھر شکار میں لگے رہتے، شام کو واپس آتے تو پہلے حرم میں جاتے، طواف کرتے قریش کے بڑے بڑے سردار حرم میں الگ الگ دربار جما کر بیٹھا کرتے تھے، حضرت حمزہ اُن لوگوں سے صاحب سلامت کرتے، کبھی کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے اِس طرح سب سے اُن کا یارانہ تھا اور سب اُن سے محبّت کرتے تھے۔

آج آپ شکار سے واپس ہوکر حرم میں پہونچے تو ایک باندی نے حضرت حمزہ سے اس گستاخی کا تذکرہ کیا جو دن میں ابوجہل نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم

---

[1] حضرت حمزہ نے "ثویبہ" کا دودھ پیا تھا اور حلیمہ سعدیہ کے یہاں جانے سے پہلے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے بھی کچھ دنوں ثویبہ کا دودھ پیا تھا۔ اس رشتہ سے دونوں بھائی بھائی بھی تھے۔ آپس میں ایک دوسرے سے بہت محبّت تھی۔

کے ساتھ کی تھی، اور جس سے اس باندی کو بھی بہت دُکھ ہوا تھا، حضرت حمزہ نے یہ قصہ سُنا تو کچھ ایسے بیتاب ہوئے کہ رہا نہ گیا۔

تیر کمان لئے ہوئے آپ حرم میں آئے اور "ابوجہل" سے کہا "میں مسلمان ہوگیا ہوں"۔ [1]

حضرت حمزہ کا یہ اعلان کرنا تھا کہ سارے دوست دشمن بن گئے۔ اور حضرت حمزہ کے ساتھ بھی وہی بدسلوکی شروع کردی جو اور مسلمانوں کے ساتھ کیا کرتے تھے، خوب مار پیٹ ہوئی، حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) زخمی ہوگئے، لیکن آپ کا اسلام پختہ ہوگیا اور آپ کے اِسلام لانے سے مسلمانوں کی طاقت بڑھ گئی۔

حضرت حمزہ سے دو چار دن بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اِسلام سے مشرف ہوئے۔

آپ کے اِسلام کا واقعہ بھی عجیب ہے، نکلے تھے اِسلام مٹانے، خود اسلام کے لئے مٹنے لگے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۱۲۸ ج ۱

بہن تھیں، فاطمہ نام تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی حضرت سعید[1] سے شادی ہوئی تھی۔ یہ دونوں مسلمان ہو چکے تھے، مگر حضرت عمر کو خبر نہ تھی حضرت عمر کو اسلام سے ہی دشمنی نہیں تھی بلکہ جو مسلمان ہوتا تھا اُس کے بھی دشمن[2] ہو جاتے تھے، بہت بہادر تھے، اُن کی بہادری کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔

ایک روز جوش آیا کہ چلو اُس ہی کو ختم کر دو جو اسلام کی جڑ ہے، تلوار کمر سے لگا سیدھے ارقم کے مکان[3] کی طرف چل دیئے، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ سب سے الگ تھلگ چھپے ہوئے

---

[1] حضرت سعید کے والد زید، اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے انتقال کر گئے تھے مگر وہ اس زمانہ کے مذہب سے بہت متنفر تھے، شرک کو بُرا سمجھتے تھے، دینِ حق کی تلاش میں عمر ختم کر دی اس کا اثر بیٹے پر بھی تھا، چنانچہ جیسے ہی حق کی آواز پہونچی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

[2] لبینہ اُن کے خاندان کی ایک باندی تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اُس کو بے تحاشا مارا کرتے اور جب مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے دم لے لوں پھر ماروں گا۔ لبینہ کے سوا جس جس پر قابو چلتا تھا مار پیٹ میں کمی نہیں کرتے تھے لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اُترنا نہیں جانتا تھا

[3] یہ مکان کوہِ صفا کے دامن میں واقع تھا۔

تھے راستہ میں اتفاق سے حضرت نعیم بن عبداللہ مل گئے یہ آپ کے دُور کے رشتہ دار تھے اور مسلمان ہوچکے تھے۔ حضرت نعیم نے حضرت عمر کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ بولے محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا خاتمہ کرنے جا رہا ہوں۔

حضرت نعیم۔—— پہلے اپنے گھر کی خبر لیجئے خود آپ کی بہن اور بہنوئی اسلام لاچکے ہیں۔

حضرت عمر نے یہ سُنا تو غصّہ سے تلملا گئے فوراً پلٹے اور بہن کے گھر پہونچے وہ قرآن شریف پڑھ رہی تھیں۔ بھائی کی آہٹ پاکر چُپ ہوگئیں اور قرآن شریف کے پارے چھپالئے۔

لیکن بھنک کانوں میں پڑچکی تھی، بہن سے پوچھا کیا پڑھ رہی تھیں، بولیں، کچھ نہیں، حضرت عمر نے جھلّاکر کہا میں سُن چکا ہوں تم دونوں اپنے مذہب سے پھر گئے ہو۔ ابھی کچھ جواب نہیں ملا تھا کہ بہنوئی سے گُتھم گُتھا ہونے لگے، بہن نے دیکھا، وہ چھُڑانے آئیں تو اُن کی بھی خبر لی۔ یہاں تک کہ اُن کا جسم لہو لُہان ہوگیا۔ اب اُن کو

بھی جوش آگیا ۔ بولیں، عمر۔ ہم مسلمان ہو چکے ہیں جو بَن آئے کرلو ۔ اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔ ان الفاظ نے حضرت عمر پر اثر کیا، ادھر بہن اور بہنوئی کے بدن سے خون بہتا دیکھا، کچھ غصّہ کم ہوا، فرمانے لگے اچھا مجھے دکھاؤ تم کیا پڑھ رہے تھے، بہن نے قرآن شریف کے ورق لاکر سامنے رکھ دیئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھنا شروع کیا ایک ایک لفظ پر دل پسیجنے لگا، چند آیتیں پڑھنے پائے تھے کہ سارا جنون اُتر گیا، گویا آنکھیں کھُل گئیں، بے اختیار پُکار اُٹھے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ

اب عمر وہ عمر نہ تھے۔ نیا رنگ اور نیا ڈھنگ، اُٹھے ـــــ اور ارقم کے مکان کی طرف چلے دروازہ پر پہونچے، کُنڈی کھٹکھٹائی ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے کواڑ کی دراز سے دیکھا، کہ عمر کھڑے ہیں، تلوار ہاتھ میں ہے۔

فکر ہوئی کہ کواڑ کھولیں یا انکار کر دیں ـــــــ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ آنے دو، اگر سیدھی طرح آتے ہیں، بہت اچھا۔ ورنہ انھیں کی تلوار سے گردن اُڑا دی جائے گی۔ حضرت عمر نے اندر قدم رکھا، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم خود آگے بڑھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دامن پکڑ کر فرمایا ـــــــ کیسے آئے ہو۔

حضرت عمر نے ادب سے عرض کیا۔ ایمان لانے کے لئے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلا۔ "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" ساتھ ہی تمام صحابہ نے مل کر اس زور سے "اَللّٰہُ اَکْبَرُ" کا نعرہ مارا کہ مکّہ کی تمام پہاڑیاں گونج اُٹھیں، اُس وقت تک چالیس، پچاس آدمی مسلمان ہو چکے تھے۔ عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہ بھی اسلام قبول کر چکے تھے، مگر مسلمان اپنے مذہبی فرض اعلانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے اور حرم میں نماز پڑھنا تو گویا موت کو بلانا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے ایک دم حالت بدل گئی۔

آپ نے مسلمانوں کو ساتھ لیا، حرم کا رُخ کیا ظالموں نے سختی سے روکنا چاہا۔ مار پیٹ کی نوبت بھی آئی، مگر آپ مسلمانوں کو لئے ہوئے حرم میں پہونچ گئے اور سب کے سامنے نماز ادا کی۔

سوالات

حضرت حمزہ کون تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کا کیا رشتہ تھا۔

حضرت سعید کون تھے۔

حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اسلام لانے کا کیا واقعہ ہے۔

ان دونوں کے مسلمان ہونے کا کیا اثر پڑا۔

لالچ دیکر باز رکھنے کی کوشش

قریش دُنیادار تھے، دُنیا کی دولت، عزّت اور نام و نمود اُن کے خیال میں سب سے بڑی چیز تھی اُن کو خیال ہوا کہ محمّد (مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلم) جو مصیبتیں جھیل رہے ہیں، اُن کا مقصد بھی یہی ہوگا کہ عزّت حاصل ہو، حکومت قائم ہو، یا دولت ملے۔

چنانچہ قریش کی طرف سے مکّہ معظمہ کا مالدار سردار عتبہ بن ربیعہ، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور نصیحت اور ہمدردی کے انداز میں کہا۔

بھتیجے ——— آپ اتنے بڑے خاندان کے نوجوان ہیں۔ آپ سے بہت کچھ اُمیدیں تھیں مگر آپ نے فائدہ پہنچانے کی جگہ قوم میں پھوٹ ڈال دی اور سب کو پریشان کر دیا، آخر کیا چاہتے

ہو؟ دولت درکار ہے؟ یا حکومت کی خواہش ہے؟ یا کسی بڑے گھرانے میں شادی کا شوق ہے؟ جو چاہتے ہو کہہ دو، اسی کا انتظام کردیا جائے گا، اور اگر کچھ دماغی شکایت ہے تو وہ بھی بتادو کسی اچھے حکیم سے علاج کرادیا جائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عُتبہ کی باتیں غور سے سُنیں اور جواب میں آپؐ نے حٰمٓ (سجدہ) کی شروع کی آیتیں[1] پڑھ کر سُنا دیں، جن میں قرآن شریف کی حقیقت اور اُس کے مقصد کو بیان کیا گیا ہے۔

عتبہ نے قرآن شریف پہلی مرتبہ سُنا تھا، آپؐ

---

[1] اِن آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن حکیم خدا رحمٰن و رحیم کا پیغام ہے۔ یہ عربی زبان میں ایسی کتاب ہے جس میں سمجھدار انسانوں کے لئے سب باتیں کھول کر بیان کردی گئی ہیں۔ یہ خوش خبری سُناتا ہے اور انکار کرنے والوں کو خدا کے عذاب سے ڈراتا ہے اکثر لوگوں نے اس سے مُنھ موڑا اور کہہ دیا کہ ہمارے کان اس کو سُننے سے بہرے ہیں جو کرنا چاہو کرتے رہو، ہم اپنا کام کرتے رہیں گے، آپ فرما دیجئے میں بھی تم جیسا آدمی ہوں، فرق یہ ہے کہ مجھے خدا کی طرف سے بتایا جاتا ہے کہ تم سب کا معبود صرف اَللہ ہے، اُسی کا رُخ کرو، اُسی کی عبادت کرو اور اُسی سے گناہ بخشواو۔

نے پڑھنا شروع کیا تو عتبہ پر سناٹا چھا گیا وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر حیرت سے سنتا رہا اور چند آیتیں سننے کے بعد چپکے سے واپس چلا گیا۔

قریش انتظار کر رہے تھے کہ عتبہ آئیں گے تو کوئی بات اُن کے کام کی کہیں گے، لیکن عتبہ واپس ہوا تو وہ عتبہ نہ تھا۔ اُس نے کہا:

"محمدؐ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ شاعری نہیں، کوئی اور چیز ہے، میری رائے ہے کہ تم اُن کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ کامیاب ہو کر عرب پر غالب آجائیں گے تو تمہاری بھی عزت ہوگی ورنہ عرب خود اُن کو فنا کر دیں گے لیکن قریش نے یہ رائے منظور نہیں کی۔"

ہجرتِ حبشہ[1]

نبوت سے پانچویں برس آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے ساتھیوں کو اجازت دی کہ دین اور ایمان بچانے کی خاطر وہ مکّہ چھوڑ کر حبشہ جا سکتے ہیں۔[2] کچھ مسلمان جن کے لئے مکّہ کا ذرّہ ذرّہ دشمن ہو چکا تھا جن کو رات دن جان کا خطرہ رہتا تھا، جن کے لئے کوئی پناہ نہیں تھی۔[3] خود اپنوں کی زیادتیوں

[1] اللہ اور اللہ کے دین کے لئے اپنا وطن چھوڑنا ہجرت کہلاتا ہے [2] چونکہ قریش تجارت کے سلسلہ میں حبش جاتے رہتے تھے لہذا وہاں کے حالات سے واقف تھے اور وہاں کے باشندوں سے ایک قسم کا تعلق تھا [3] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجودیکہ ابوجہل اور ابولہب جیسے بدبخت بہت کچھ ستاتے تھے مگر خواجہ ابوطالب جیسے مددگار بھی موجود تھے جو دشمنوں کے آڑے آتے تھے۔ اور جن کی وجہ سے (بظاہر اسباب) جان کا خطرہ نہیں تھا، ایسے ہی اور صحابہ کے لئے بھی اُن کے بعض رشتہ دار مددگار تھے۔

سے وہ تنگ آ چکے تھے اِس کے بعد وہ حبشہ چلے گئے [1]
رجب کے مہینہ میں پہلا قافلہ روانہ ہوا جس میں بارہ
مَرد تھے اور چار عورتیں۔ [2]
اِس کے سردار حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) تھے
آپ کی اہلیہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر
سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حضرت لوط اور
حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جس
نے راہِ خدا میں ہجرت کی۔ اِن کے پیچھے ۸۳ مرد اور
۱۸ عورتوں کا دوسرا قافلہ روانہ ہوا۔
اِن میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی
حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی تھے [3] قریش نے سمندر تک
اُن کا پیچھا کیا مگر یہ کشتیوں میں بیٹھ کر روانہ ہو چکے تھے۔

---

[1] کچھ ایسے تھے جن کو خطرے بہت تھے مگر تنگدستی وغیرہ کی مجبوریاں بھی ایسی تھیں کہ مکّہ سے نکل نہیں سکتے تھے، لہٰذا وہ ہجرت نہیں کر سکے۔ [2] خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھو جب یہ لوگ بندرگاہ پر پہونچے تو دو تجارتی جہاز حبش جا رہے تھے، جہاز والوں نے سستے کرائے پر ان کو بٹھا لیا، ہر شخص کو صرف پانچ درہم دینے پڑے یعنی تقریباً سوا تولہ چاندی [3] جن کو دربارِ رسالت سے شہادت کے بعد "طیار" کا خطاب ملا۔ تفصیل جنگ موتہ کے بیان میں ملاحظہ فرمایئے۔

حبش سے واپسی

تھوڑے دن گزرے تھے کہ یہ خبر مشہور ہو گئی کہ مکّہ کے کافر مسلمان ہو گئے یہ سُن کر بہت سے صحابہ نے مکّہ معظمہ کا رُخ کیا لیکن جب مکّہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ خبر بالکل غلط ہے، اور حالت پہلے سے بھی ابتر ہے، اس لئے کچھ تو واپس حبش چلے گئے اور کچھ چُھپ چھپ کر مکّہ معظمہ میں آ گئے۔

پھر جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم مدینہ منوّرہ تشریف لے جا چکے تھے تو کئی سال بعد (سنہ ۷ھ میں) یہ حضرات مدینہ منوّرہ واپس ہوئے۔

سوالات:

حبش کہاں ہے؟

ان حضرات نے حبش کی طرف ہجرت کیوں کی۔

ہجرت کرنے والوں کی تعداد کیا تھی، کتنے مرد تھے اور عورتیں کتنی۔

اس جوڑے کا نام کیا ہے جس نے حضرت لوط علیہ السّلام کے بعد سب سے پہلے راہِ خدا میں ہجرت کی۔

حبشہ کی طرف ہجرت کے مرتبہ ہوئی اور واپسی کے مرتبہ ہوئی۔

حبشہ سے پہلی مرتبہ واپسی کب ہوئی۔

ایک متفقہ دستاویز

اور

مسلمانوں کا بائیکاٹ

مصیبتوں اور تکلیفوں کے خاردار جھاڑوں میں اسلام کا ننھا سا پودا دن بدن بڑھ رہا تھا، قریش اس کو جتنا چھانٹتے تھے وہ اتنا ہی پھیلتا تھا اب اُس کے پھولوں کی مہک عرب سے نکل کر حبش تک پہنچ گئی تھی اور شاہِ حبش کو سرمست کر چکی تھی[1]۔

قریش پریشان تھے کہ ہماری کوششیں ناکام ہیں اور اور مسلمان دن بدن بڑھ رہے ہیں۔

---

[1] ہجرت حبش کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا تھا کہ وہاں کا بادشاہ مسلمان ہوگیا۔

ناکہ بندی وعظوں میں شور، ہر ایک راستہ پر دیکھ بھال، دروازہ تک کی نگرانی، کہ کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچ سکے، مسلمانوں کو طرح طرح ستانا، یہ سب کچھ کر لیا گیا اور کر رہے ہیں، مگر اسلام دن بدن بڑھ رہا ہے۔

کھلم کھلا قتل کرنے میں قبائلی[1] جنگ چھڑ جانے کا خطرہ تھا چنانچہ خفیہ طور پر سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] عرب کے کسی باعزت قبیلہ کا کوئی فرد قتل کر دیا جاتا تھا تو فوراً عزت، آبرو اور آن بان کا سوال پیدا ہو جاتا اور خون کا بدلہ لینا ضروری سمجھا جاتا تھا اور یہ بھی ہوتا تھا کہ ایک کے بدلہ میں کئی کئی خونوں کا مطالبہ کیا جاتا کہ وہ شخص بڑی عزت والا تھا۔ اس کے بدلے میں اتنے آدمی قتل ہونے چاہئیں یہاں دین اور مذہب کا سوال نہیں ہوتا تھا بلکہ قبیلہ کی عزت اور عظمت کا سوال ہوتا تھا اور اس میں وہ سب قبیلے شریک اور مددگار ہو جاتے تھے جن سے معاہدے ہوتے تھے۔ خواجہ ابوطالب نہ صرف قریش بلکہ مکہ کے نامور سردار تھے۔ دوسرے بڑے بڑے قبیلوں سے ان کے معاہدے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جاتا تو آپ کے دین و مذہب کا سوال نہ ہوتا بلکہ پورے خاندان ہاشم کو غیرت اس کی ہوتی کہ ان کے خاندان کا ایسا بڑا آدمی قتل کیا گیا اور خاندان بھی وہ ہے جو عرب کے نامی گرامی خاندانوں میں

(باقی صہ ۱۹ پر)

کی جان لینے کی سازش ہونے لگی۔ خواجہ ابوطالب کے چوکنے دماغ نے اس کو بھانپ لیا انہیں صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نہیں بلکہ خاندان کے کچھ اور لوگوں[1] کے متعلق بھی خطرہ ہوا۔ انہوں نے خاندان کے لوگوں سے مشورہ کیا اور طے یہ کیا کہ شہر کے خطرناک ماحول سے نکل کر کسی محفوظ مقام پر پناہ لی جائے۔

پہاڑوں کے بیچ میں ایک مقام "خیف بنی کنانہ" تھا جس کا دوسرا نام "شعب ابی طالب" تھا۔ یہ بنو ہاشم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سب سے اونچا اور مکہ والوں کی ناک ہے۔ اس کا بھرپور بدلہ نہ لیا گیا تو خاندان ہاشم کی عزت خاک میں مل جائے گی۔ پھر وہ تمام قبیلے جن سے معاہدے تھے وہ بنو ہاشم کے ساتھ ہوتے اور ایک بھیانک جنگ چھڑ جاتی۔

[1] (حاشیہ صفحہ ہذا) مثلاً خواجہ ابو طالب کے بڑے صاحبزادے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اگرچہ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے مگر چھوٹے صاحبزادے حضرت علی رضی اللہ عنہ یہیں تھے۔ جو ہر دم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے ایسے ہی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جو خواجہ ابو طالب کے چھوٹے بھائی تھے مسلمان ہو چکے تھے۔

کا موروثی رقبہ تھا۔ طے یہ ہوا کہ وہاں جاکر قیام کیا جائے۔ چنانچہ پورا خاندان جس کے بہت سے افراد ابھی مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے اس مقام پر چلا گیا۔ ابوطالب یہاں پہنچ کر بھی اپنے بھتیجے کی نگرانی رکھتے تھے۔ رات کو جاگتے رہتے اور ان کے سونے کی جگہ بھی بدلتے رہتے تھے۔

قریش نے اس کا جواب یہ دیا کہ تمام مخالف قبیلوں کو ملاکر اُن سب کا بائیکاٹ کرادیا۔ جنہوں نے خواجہ ابوطالب کے ساتھ اس گھاٹی میں پناہ لی تھی۔ یہ بائیکاٹ صرف رشتے ناتے کا نہیں تھا بلکہ کھانے پینے کی چیزیں بھی بند کرادیں۔ ایک عہدنامہ لکھا گیا کہ ان کے ساتھ نہ نکاح بیاہ کیا جائے نہ خرید و فروخت۔ اور کوشش کی جائے کہ مکہ کے باہر بھی کہیں سے یہ لوگ کچھ نہ خرید سکیں۔ بیوپاریوں کو آمادہ کیا گیا کہ مکہ کے راستوں کی نگرانی رکھیں اور باہر سے آنے والی جنسوں کو مکہ میں پہنچنے سے پہلے ہی خرید لیا کریں۔ قریش کے سرداروں نے اس معاہدے پر دستخط کئے اور یہ عہدنامہ

قومی حفاظت خانہ یعنی خانہ کعبہ کے خزانہ میں محفوظ کر دیا گیا۔
نبوت کے ساتویں سال محرم کی پہلی تاریخ سے یہ مقاطعہ شروع ہوا تھا۔ جو تقریباً تین سال تک رہا۔ اس عرصہ میں درختوں کے پتے اور جڑیں کھا کر زندگی گزارنی پڑی۔ بچے بلبلاتے تھے مگر ان کو دودھ میسر نہیں آتا تھا۔ بکریاں ختم ہو گئی تھیں۔ اور لگاتار فاقوں نے ماؤں کے دودھ خشک کر دیئے تھے۔[1]

اس معاہدہ کی کوئی مدت نہیں تھی اس کی حد یہ تھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کے لئے حوالہ کر دیں۔ لیکن جب تین سال پورے ہونے لگے تو کچھ لوگوں کو رحم آیا اور یہ سوال اٹھایا گیا کہ آخر یہ ظلم کب تک ہوتا رہے گا۔

---

[1] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہما جیسے رفقاء اگرچہ بنو ہاشم نہیں تھے۔ مگر مقاطعہ ان سے بھی اتنا ہی سخت تھا۔

(سیرۃ ابن اسحاق بحوالہ ازالۃ الخفاء صفحہ ۱/۲)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا چمڑا ہاتھ آگیا۔ میں نے اس کو پانی سے دھویا پھر آگ پر بھونا اور پانی ملا کر کھایا۔ (روض الانف بحوالہ سیرۃ النبی ج ۱)

لیکن پلّہ اُن کا بھاری تھا۔ جن کے سینوں میں دلوں کی جگہ پتھر بھرے ہوئے تھے۔

یہ بحث چل رہی تھی کہ قدرت کا ایک کرشمہ سامنے آیا جس نے اس بحث کو ختم کر دیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کو خبر دی کہ کیڑوں نے معاہدہ کے تمام حروف چاٹ لئے ہیں صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے۔

خواجہ ابوطالب نے یہ الہامی خبر سنی تو قریش کے سرداروں کے پاس پہنچے کہ آج ہمارا تمہارا معاملہ طے ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ خبر دی ہے اگر یہ خبر جھوٹی ہے تو میں تمہارے ساتھ ہوں اور اگر سچی ہے تو جب معاہدہ ہی نہیں رہا تو اُس کی پابندی کیسی؟

قریش کے سرداروں نے یہ فیصلہ منظور کیا۔ ان کو یقین تھا کہ جیت ہماری ہوگی مگر جب خزانہ کھول کر دستاویز نکالی گئی۔ تو جو کچھ اللہ کے سچے رسول نے فرمایا تھا وہ ہوبہو درست تھا۔ کچھ لوگوں نے پھر بھی زبان زوری کی کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جادو ہے۔ مگر اُن کی بات نہیں چلی۔

اور مجبوراً سب کو ماننا پڑا کہ معاہدہ ختم ہوگیا۔

اس قدرتی کرشمہ کے بعد ایسی حالت ہوگئی کہ بنو ہاشم شعب سے نکل کر مکہ میں آگئے۔

ایسے سخت امتحان میں روحانی ترقی کہاں تک ہوسکتی ہے اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں چنانچہ اسی زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کا سب سے بلند مرتبہ حاصل ہوا۔ معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز مسلمان کی معراج ہے۔ کہ نماز پڑھنے والا نماز میں اللہ سے مناجات کرتا ہے۔ نماز کے آخر میں التحیات پڑھی جاتی ہے جس میں نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن بزرگوں پر جو اس امتحان میں کامیاب ہوئے تھے سلام ہے۔ بلکہ اُن کے طفیل میں اللہ کے تمام نیک بندوں پر سلام ہے۔

السّلام علینا وعلی عباد اللہ الصّالحین

سلام ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر

غم کا سال

سنہ ۱۰ نبوی

رہائی کے کچھ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو صدمے پہنچے۔

یعنی پہلے تو چچا ابو طالب دُنیا سے رخصت ہوئے پھر تین دن بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفادار بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اللہ کو پیاری ہوئیں[۱]۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تو وہ بی بی تھیں اسلام پر قربان ہونے والیں جو سب سے پہلے اسلام لائیں، ساری دولت اسلام اور مسلمانوں پر قربان کر کے فاقہ کو زینت

---

[۱] نبوت کے دسویں سال، ۱۰ رمضان المبارک کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی (فتح الباری) ابوطالب کی وفات اُن سے تین دن پہلے یا بعد کو ہوئی اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پچاس سال تھی۔ حضرت خدیجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں ۱۵ سال اور ابوطالب ۳۵ سال بڑے تھے لہذا حضرت خدیجہ کی عمر وفات کے وقت ۶۵ سال تھی اور خواجہ ابوطالب نے ۸۵ سال عمر پاکر انتقال کیا

سمجھا، خدا کی راہ میں ہر مصیبت کو راحت جانا، اب اُن کی وفات سے گھر کا بندھن ٹوٹ گیا، کنواری بچیوں کی پریشانی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پریشانیاں اور بڑھ گئیں۔

ابوطالب وہ عاشق تھے جنھوں نے حضورؐ کی حمایت میں ساری مصیبتیں جھیلیں، مکہ والے اُن کا ادب بھی کرتے تھے اور اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مکہ کا رہنا ابھی ناممکن نہیں ہوا تھا۔ اب وہ وقت آگیا کہ مسلمانوں کے لئے ظاہر میں کوئی پناہ نہ رہی، مکہ کے کافر کھلے بندوں من مانی تکلیفیں دینے میں بالکل آزاد ہو گئے۔

بہت بڑی مصیبت یہ تھی کہ بڑے بڑے کٹر جو رات دن آپ کو ستانے میں لگے رہتے تھے وہ آپؐ کے مکان کے آس پاس ہی رہتے تھے باہر کی چین تو پہلے ہی ختم تھی، اب اندر کی بے فکری بھی جاتی رہی، پریشانیوں نے سب طرف سے گھیر لیا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کا نام "عَامُ الحُزن" رکھا یعنی غم کا سال۔

گھر کے انتظام کے لئے

دُوسرا نکاح

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو آپ کی چار لڑکیاں تھیں، حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) جن کا نکاح حضرت ابوالعاص بن ربیع سے ہوا تھا حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا جن کی شادی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہوچکی تھی، دو صاحبزادیاں حضرت کلثوم اور حضرت فاطمہ (رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا) کنواری تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد کچھ دنوں تو آپ خود ہی گھر کے کاموں اور دونوں بچیوں کی دیکھ بھال کرتے رہے، لیکن اس طرح تبلیغ کے کام میں حرج ہوتا تھا، لہذا گھر کا کام سنبھالنے کے لئے آپ نے حضرت "سودہ" سے

نکاح کرلیا، جو پکی عمر کی بیوہ عورت تھیں، طبیعت سے بہت شریف اور نیک تھیں۔ مسلمان ہو چکی تھیں۔

سوالات

عام الحزن کے کیا معنیٰ ہیں۔

عام الحزن کونسا سال ہے۔ اس سال کا نام عام الحزن کیوں رکھا گیا۔

حضرت خدیجہ کی وفات کب ہوئی۔

حضرت خدیجہ اور خواجہ ابوطالب کے انتقال میں کے روز کا فصل ہے۔

حضرت خدیجہ اور خواجہ ابوطالب کی کچھ خصوصیتیں بیان کرو۔

اِن دونوں کی وفات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر اور اسلام کے کاموں پر کیا اثر پڑا۔

وفات کے وقت حضرت خدیجہ کے کتنی لڑکیاں تھیں، اُن کے نام بتاؤ۔

حضرت زینب اور حضرت رقیہ کے شوہروں کے نام بتاؤ۔

بازاروں اور میلوں میں

تبلیغ

ایک طرف یہ مصیبتیں اور پریشانیاں تھیں ــــ اور دوسری طرف خدا کا حکم یہ تھا کہ

اے نبی خدا کے حکم لوگوں کو سُناؤ

خدا کا پیغام لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کرو۔

مشرک جو کچھ کر رہے ہیں اس کی پروا مت کرو۔[1]

چنانچہ جیسے جیسے گھر کی پریشانیاں اور مکہ کے کافروں کی مخالفت دن بدن بڑھ رہی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تبلیغی کوششیں بھی بڑھتی جا رہی تھیں۔

---

[1] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (سورہ حجر آخری رکوع) ترجمہ۔ سُنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا ہے اور دھیان نہ کر شرک والوں کا۔ (موضح القرآن)

مکّہ کے قریب میلے[1] اور بازار لگا کرتے تھے خاص طور پر حج کے زمانے میں سارے عرب کے قبیلے آتے اور کئی کئی دن تک مکّہ کے قریب ٹھہرا کرتے تھے وہاں اُن کے بڑے بڑے جلسے اور مشاعرے ہوتے تھے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم بازاروں میں، جلسوں میں اور جہاں جہاں قبیلوں کے آدمی ٹھہرا کرتے تھے، وہاں تشریف لے جاتے اُن کے سامنے اسلام کی تعلیم پیش فرماتے، یہ بھی فرماتے کہ میں تیار ہوں کہ آپ کے ساتھ آپ کے قبیلہ میں چلوں اور وہاں قیام کرکے اللہ کے حکم لوگوں کو سُناؤں اور سمجھاؤں، مکّہ والے مجھے اِس کا موقع نہیں دیتے کہ خدا کا پیغام پہنچا سکوں

ابولہب جیسے کٹّر اور شرّی لوگ بھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پیچھے لگے رہتے وہ حضرتؐ کی بات کاٹتے رہتے۔ جب ہمارے حضرت تقریر فرماتے تو یہ شور مچاتے کہ اس کی بات مت سنو، میں اس

---

[1] ان میلوں میں "عکاظ" جو اہلِ عرب کا قومی اور علمی دنگل تھا اور "مجنہ" اور "ذوالمجاز" کا نام مورخین نے خاص طور پر لیا ہے۔ (سیرۃ النبی ص ۱۸۴)

کا چچا ہوں میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں یہ باپ دادا کے دین اور مذہب سے پھر گیا ہے، اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے (معاذ اللہ) یہ ہمارے باپ دادا کے مذہب کی توہین کرتا ہے اس کی باتیں نہ سُنو۔ اس کی باتوں میں جادو کا اثر ہے اس کی باتوں سے میاں بیوی، باپ بیٹے اور بھائی بھائی میں جُدائی پڑجاتی ہے۔

اس ہڑبونگ کا اثر یہ ہوتا تھا کہ لوگوں کو پوری طرح سننے اور سوچنے کا موقع نہ ملتا۔ کوئی اُلٹا سیدھا جواب دیکر ٹال دیتا، کوئی ان شریروں کی ہاں میں ہاں ملانے لگتا، شاید ہی کوئی خدا کا بندہ کچھ سوچ سمجھ کر جواب دیتا تھا۔

اس طرح کئی سال تک تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا اس کا فائدہ یہ تو ہوا کہ سارے عرب میں اسلام کا چرچا ہونے لگا، لیکن کامیابی کی منزل ابھی بہت دُور تھی۔

طائف کا تبلیغی سفر

طائف، مکّہ معظّمہ سے تقریبًا چالیس میل کے فاصلہ پر ایک شہر ہے جو پہاڑ کی بلندی پر آباد ہے، آب و ہوا بہت خوشگوار، چشموں کا پانی میٹھا، انگور، انار، سیب وغیرہ طرح طرح کے پھل اور ہر قسم کی ترکاریاں، یہاں کثرت سے ہوتی ہیں۔ مکّہ معظّمہ میں ترکاریاں اور پھل اسی پہاڑ سے آتے ہیں، وہاں کے باشندے خوش حال تھے اور مکّہ معظّمہ کے خوشحال باشندے بھی گرمیاں گزارنے کے لئے اِسی پہاڑ پر چلے جاتے تھے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے اور اللہ کا پیغام لوگوں کو سُنایا۔ مگر یہ لوگ عیش میں مست تھے، اُنھوں نے بڑی لاپروائی سے اُلٹے

سیدھے جواب دینے اور شرارت یہ کی کہ آوارہ گرد بازاری لڑکوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگادیا۔ ان بدمعاشوں نے ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب طرف سے گھیرلیا اور اینٹیں پتھر برسانے شروع کر دیئے یہاں تک کہ جسم مبارک لہو لہان ہوگیا۔ جوتیاں خون میں رنگ گئیں۔

جب آپ زخموں سے چور ہوکر بیٹھ جاتے تو یہ اوباش بازو تھام کر کھڑا کر دیتے اور جب چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے، ساتھ ساتھ گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے، آخر آپ ایک باغ میں تشریف لے گئے اور انگور کی ٹٹیوں میں پناہ لی۔ اس باغ کا مالک[1] اگرچہ کافر تھا مگر طبیعت میں کچھ شرافت تھی، اُس نے آپؐ کو اس حالت میں دیکھا تو اپنے غلام کے ہاتھ انگور کا ایک خوشہ (گچھا) ایک کشتی میں رکھ کر بھیجا، آپؐ نے اُس کا شکریہ ادا کیا۔

حضرت زید (بن حارثہ) اس سفر میں آپؐ کے

---

[1] عتبہ بن ربیعہ نام تھا۔

ساتھ تھے یہ بھی زخمی ہوئے مگر اُن کو اپنا غم نہیں تھا بلکہ اپنے محبوب آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غم تھا، آپ نے آقا کے جسم مبارک سے خون کے دَھبّے صاف کرنا شروع کئے اور درخواست کی کہ یا رسول اللہ اِن بد نصیبوں کے لئے ایک دفعہ بد دُعا کر دیجئے۔

پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہوا اور عرض کیا' یا رسول اللہ اگر ارشاد ہو تو پہاڑوں کی چوٹیوں کو ملاکر اِن تمام گستاخوں کو چکنا چُور کر دیا جائے۔

لیکن جس کو اللہ نے "رؤف"[1] "رحیم"[2] کا خطاب دیا تھا، جس کو "اَرۡحَمُ الرّٰحِمِین"[3] نے "رَحۡمَۃٌ لِّلۡعَالَمِیۡنَ"[4] بناکر بھیجا تھا وہ بد دعا کیسے

---

[1] رؤف، بہت مہربان [2] رحیم، بہت رحمت والا۔ یہ دونوں خطاب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے ہیں۔ دیکھو سورۂ توبہ کی آخری آیتیں [3] ارحم الراحمین۔ سب مہربانی کرنے والوں میں سب سے بڑا مہربان۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم صفاتی ہے۔

[4] رحمۃ للعالمین، تمام جہانوں کے لئے رحمت، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب ہے۔

کرسکتا تھا۔

آپ نے فرمایا میں بددُعاؤں کے لئے نہیں بھیجا گیا، میں رحمت کے لئے آیا ہوں، تباہی و بربادی کے لئے نہیں آیا، کیا تعجب ہے کہ ان کی اولاد میں ایسے نیک بندے ہوں جو اللہ کے پیغام پر عمل کریں۔

آپ اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوئے اور التجا کی۔

اے اللہ ان کو ہدایت فرما ان کی گستاخیوں کو معاف فرما۔ یہ لوگ مجھے جانتے نہیں ہیں۔

طائف سے واپسی

رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے واپس ہوتے ہوئے چند روز نخلہ میں قیام کیا، پھر آپؐ حرا تشریف لائے مکّہ تشریف لے جانا چاہتے تھے، مگر اِس خیال سے کہ وہاں کسی قدر امن مِل سکے جس سے تبلیغ کا فرض ادا کرنا ممکن ہو آپ نے مکّہ کے ایک رئیس کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ مجھ کو "حمایت" میں لے سکتے ہیں؟

اس رئیس کا نام مطعِم بن عدی تھا، عربوں کا طریقہ تھا کہ اگر دشمن بھی اُن سے "حمایت[1]" چاہتا تو انکار نہیں کر سکتے تھے۔

چنانچہ مطعم نے اس کو منظور کیا اور بیٹوں کو بُلاکر کہہ دیا کہ ہتھیار لگاکر رسول اللہ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ جاؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے، مطعم اونٹ پر سوار تھا، اُس نے حرم میں پہونچکر اعلان کیا "میں نے محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کو پناہ دی"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے حرم میں پہنچے وہاں آپؐ نے نماز ادا کی، پھر مکان تشریف لائے۔ مطعم بن عدی اور اس کے بیٹوں نے تلواروں کے سایہ میں آپؐ کو دولت خانہ تک پہونچایا۔[2]

---

[1] حمایت۔ یعنی حفاظت یا پناہ [2] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۳۱ ج ۱۔ نوٹ: مطعم بن عدی نے غزوۂ بدر سے پہلے وفات پائی وہ اسلام سے مشرف نہیں ہو سکا مگر مسلمانوں کو اس کے احسان کی وجہ سے اُس کے ساتھ یہ تعلق تھا کہ شاعر اسلام حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے مرثیہ لکھا۔ سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۳۱ تحت عنوان حدیث لسنن الصحیفہ

جنات کا اسلام

نخلہ میں جب ایک روز تہجد کے وقت آپ قرآن شریف پڑھ رہے تھے تو جنات کی ایک جماعت نے کلام اللہ شریف سنا اور ایمان سے مشرف ہوئی۔[1]

پھر اِن جنات نے اپنی قوم میں تبلیغ شروع کردی۔[2]

---

[1] و [2] سیرۃ ابن ہشام ص ۲۵۵

قرآن شریف سورہ احقاف آخری رکوع۔

سوالات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف کیوں تشریف لے گئے

طائف کیا ہے اور کہاں ہے۔

طائف کے سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کون تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں کے لئے بد دعا کیوں نہیں کی۔

طائف والوں کے لئے آپ نے کیا دعا کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب جو تم نے اس سبق میں پڑھے ہیں کیا ہیں اور کیوں ہیں۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مقصد کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔

طائف کے باغ کے مالک کا نام اگر معلوم ہو تو بتاؤ۔

مطعم بن عدی کون تھا اور اُس نے کیا کیا۔

"حمایت" کا مطلب بتاؤ اور اس کے متعلق عربوں کا کیا طریقہ تھا

جنات کب مشرف باسلام ہوئے اور انھوں نے مسلمان ہو کر کیا کیا۔

ارحم الراحمین، رحمۃ للعالمین، روف، رحیم کے معنیٰ بتاؤ۔

مدینۂ منوّرہ
اور
مدینہ والے

مدینہ منوّرہ مکّہ معظّمہ سے اُتّر (شمال) کی طرف کوئی تین سو میل کے فاصلہ پر ایک شہر ہے۔

یہاں کی زمین نرم ہے، پانی میٹھا، پیداوار ہر قسم کی ہوتی ہے، ہندوستان کی طرح گرمی سردی آتی جاتی رہتی ہے، مگر برسات نہیں ہوتی کبھی کبھار بارش ہوجاتی ہے۔

اسلام سے پہلے اس شہر کا نام یثرب[1] تھا۔ یہاں کے رہنے والے مکّہ والوں کی طرح مشرک

[1] اس شہر کا نام یثرب تھا اور یہاں کی آب و ہوا بھی خراب تھی۔ یہاں کا بخار مشہور تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے آب و ہوا ٹھیک ہوگئی، یثرب کے بجائے "مدینۃ الرسول" اس کا نام ہوگیا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر۔ یثرب کا نام اس لئے بھی چھوڑ دیا گیا کہ یہ ثرب سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ ہیں ملامت کرنا اور قباحت بیان کرنا۔

اور بُت پرست تھے ۔ ان کے دو قبیلے تھے
اَوس اور خزرج، یہ پُرانے زمانے میں یمن میں رہا
کرتے تھے، اور جب یمن میں ایک طوفان آیا جس
سے یمن کی آبادیاں اُجڑ گئیں اور یمن تباہ ہوگیا تو
اُن کے دادا پڑ دادا یہاں آکر آباد ہو گئے تھے، مدینہ
کے آس پاس بڑے بڑے قبیلے یہودیوں کے بھی
تھے ۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی اُمّت کہلاتے
تھے اور تورات کو آسمانی کتاب مانتے تھے، ان میں
تین قبیلے زیادہ نام آور تھے ۔

(۱) بنو نضیر (۲) بنو قریظہ (۳) اور تیسرے قبیلہ
کا نام بنو قینقاع تھا ۔ یہ تینوں قبیلے مدینہ منورہ
کے آس پاس آباد تھے، یہ عموماً لکھے پڑھے تھے،
بچّوں کی تعلیم کے لئے مدرسے بھی قائم کر رکھے تھے
ان کے خاندان بھی پُرانے زمانے میں باہر سے
آکر آباد ہوئے تھے ۔

مشرک اور بُت پرست زیادہ تر کاشتکار تھے اور
یہودی ساہوکار ۔

اَوس اور خزرج، یہ دونوں خاندان اگرچہ ایک ہی دادا کی اولاد تھے، مگر ایک دوسرے سے لڑتے رہتے تھے اور یہودی اُن کا زور توڑنے کے لئے آپس میں لگی بجھی کرتے رہتے تھے۔ ایک لڑائی جو "بُعاث" کے نام سے مشہور ہے ایسی سخت ہوئی کہ دونوں خاندانوں کے تمام نامی گرامی بہادر لڑ لڑ کر مر گئے۔ اب یہ قبیلے اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ دوسروں کی پناہ ڈھونڈتے تھے اور پناہ نہیں ملتی تھی، چنانچہ ایک قبیلہ کے آدمی مکہ کے قریش کے پاس بھی گئے تھے کہ اُن کو اپنا "حلیف[۱]" بنالیں، کچھ بات چیت ہو بھی چکی تھی، مگر ابوجہل نے بھانجی ماردی اور بنی بنائی بات بگاڑدی۔

اُوس اور خزرج اگرچہ بُت پرست۔ اور اَن پڑھ تھے، مگر یہودیوں کے ساتھ رہنے سے نبوت اور رسالت کی باتیں کان میں پڑتی

---

[۱] حلیف: ایسا ساتھی جس سے عہد کیا گیا ہو کہ لڑائی میں بھی ساتھ دے گا۔

رہتی تھیں۔ [1]

سوالات

مدینہ منورہ کہاں ہے

مدینہ کا پہلا نام کیا تھا۔

مدینہ کی آب و ہوا کیسی ہے۔

اسلام سے پہلے مدینہ منورہ میں کتنے مذہب کے لوگ آباد تھے۔

اَوس اور خزرج کون تھے اور اُن کے باپ دادا کہاں سے آئے تھے۔

یہودی کس کی اُمّت کہلاتے ہیں۔

یہودیوں کے مشہور قبیلوں کے نام بیان کرو۔

یہودی کیا کرتے تھے اور مدینہ کے مشرکوں کا پیشہ کیا تھا۔

بعاث کی لڑائی کی کچھ باتیں معلوم ہوں تو بتاؤ اس لڑائی میں کن قبیلوں کے بہادر مارے گئے۔

بُت پرست اور اہلِ کتاب میں کیا فرق ہے۔

---

[1] بُت پرست نبوّت اور رسالت کو نہیں مانتے تھے، یہودی اور عیسائی نبوّت کے قائل ہوتے ہیں اسی لئے اُن کو اہلِ کتاب کہا جاتا ہے۔ ہندوستان کے ہندو بھی نبوّت اور رسالت کو نہیں مانتے اسی لئے اُن سے نکاح بیاہ جائز نہیں ہے۔

مدینۂ منورہ میں

اسلام کی کرنیں

مدینۂ منورہ (یثرب) کے مشرک ہر سال حج کے لئے مکۂ معظمہ آیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے بھی ملا کرتے تھے۔

اَوس اور خزرج کی لڑائیوں میں جب اَوس کو ہار ہوئی تو اِس قبیلے کے کچھ آدمی قریش کے پاس آئے تاکہ قریش سے معاہدہ کرلیں اور اس سے مدد حاصل کریں، اُن میں ایک نوجوان ایاس بن معاذ بھی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے بھی ملے۔ ان کے سامنے اسلام کی تعلیم پیش کی اور قرآن پاک کی کچھ آیتیں پڑھ کر سُنائیں۔ حضرت ایاس نے قرآن شریف سُن کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ کام اُس سے بھی بہتر ہے جس کام کے

لئے تم آئے ہو، اسی راستہ کو اختیار کرو۔
لیکن قافلہ کے سردار[1] نے بات نہیں مانی۔ اُس نے کنکریاں اُٹھا کر ایاس کے منہ پر ماریں اور کہا کہ تم اس کام کے لئے نہیں آئے ہو۔
ایک مرتبہ مدینہ والوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی باتیں کر رہے تھے کہ ایک شخص جس کا نام "سوید" تھا اُس نے کہا کہ میرے پاس بھی ایک کتاب[2] ہے جس میں بہت اچھی اچھی باتیں ہیں۔ پھر اُس نے کتاب کھول کر پڑھنا شروع کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب سُنی اور فرمایا کہ یہ باتیں اچھی ہیں، مگر میرے پاس جو کتاب ہے وہ اس سے بھی بہت اچھی ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی آیتیں پڑھ کر سُنائیں۔

---

[1] اس کا نام تھا ابوالمیسر انس بن رافع، (ابن ہشام صفحہ ۲۵۸)

[2] ابن ہشام نے اس کتاب کو "مجلہ لقمان" کہا ہے۔ یعنی حضرت لقمان کا نصیحت نامہ۔ (ابن ہشام صفحہ ۲۵۸ ج ۱)

سویدؔ[1] بہت بڑا شاعر تھا، ایسا عقل مند اور بہادر تھا کہ لوگ اس کو "کامل" کہا کرتے تھے اُس نے قرآن شریف کی آیتیں سُنیں تو دنگ رہ گیا اور مان گیا کہ یہ کتاب واقعی اس سے بہت بہتر ہے۔

ایاس اور سوید اگرچہ باقاعدہ مسلمان نہیں ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے[1] مرگئے۔ لیکن یہ دونوں اِسلام کے معتقد ہوگئے تھے اور ان کے ذریعہ سے اسلام کی دُھندلی سی کرن مدینہ میں پہنچ چکی تھی۔

---

[1] سوید، خزرج کے ہاتھوں جنگِ بعاث سے پہلے قتل ہوگئے۔ ابن ہشام ص۲۵۸ اور ایاس کا انتقال بھی جنگِ بعاث سے پہلے ہی ہوگیا۔ موت کے وقت جو لوگ "ایاس" کے پاس موجود تھے اُن کا بیان ہے کہ مرتے وقت آپ کی زبان پر کلمہ لا الٰہ الا اللہ جاری تھا۔ (ابن ہشام ص۲۵۸ ج۱)

مدینہ منورہ میں

اسلام

نبوت سے دسویں سال یعنی جس سال شعب ابی طالب، کے محاصرہ سے مسلمانوں اور اُن کے ساتھیوں کو نجات ملی اور بائیکاٹ ختم ہوا اسی سال کا واقعہ ہے کہ حج کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ خزرج کے کچھ لوگوں سے ملے، جو مدینہ منورہ سے حج کے لئے آئے تھے، آپ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی اسلام کے اصول اور عقیدے بتائے اور قرآن شریف کی کچھ آیتیں پڑھ کر سنائیں۔

خزرج والوں کے دلوں پر اس کا اثر ہوا، انھوں نے آپس میں ایک دوسرے کو دیکھا، پھر کہنے لگے یہ وہی ہے جس کی خبر یہودی دیا کرتے ہیں

اب تم پہل کرلو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہودی پہل کرجائیں اور ہم پیچھے رہ جائیں، اگر ہم نے یہ راستہ اختیار کرلیا اور اس پاک کام میں لگ گئے تو ہمارے آپس کے جھگڑے ٹنٹے بھی ختم ہوجائیں گے۔ یہ سوچ وچار کرکے انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔

یہ چھ آدمی تھے جو مدینہ والوں میں سب سے پہلے اسلام سے مشرف ہوئے[1]۔ یہ حضرات نہ صرف مسلمان بلکہ مبلغِ اسلام بن کر مدینہ منوّرہ پہنچے اور اسلام کی تبلیغ شروع کردی۔ اگلے سال جب حج کے لئے آئے تو اپنے ساتھ بارہ آدمیوں کو اور لائے جن کے دلوں میں اسلام کا چراغ جل چکا تھا۔

یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر اسلام سے مشرف ہوئے اور عہد کیا کہ کسی کو اللہ کا شریک نہیں مانیں گے، چوری، زنا اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے، کسی پر بہتان نہیں باندھیں گے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۵۰

ہر حالت میں اللہ، رسول کے احکام کی تعمیل کرتے رہیں گے۔

جس کو جس کام کا ذمہ دار بنایا جائے گا اُس کی امداد کریں گے، اُس سے جھگڑا یا اختلاف نہ کرینگے ہر موقع پر جو کچھ حق ہوگا وہی کہیں گے۔ اللہ اور رسول، دین و مذہب کے بارہ میں نہ کسی سے ڈریں گے نہ کسی کی لعنت و ملامت کی پروا کریں گے۔

اس کو بیعت[2] عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے۔

اِن حضرات نے یہ بھی درخواست کی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کسی معلّم کو بھیج دیں جو مدینہ منورہ میں اسلام کی تعلیم دیں اور تبلیغ کرتے رہیں۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کی یہ درخواست منظور فرمائی اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اُن کے ساتھ بھیجدیا۔

حضرت مصعبؓ مدینہ منورہ پہنچے، تو حضرت اسعد

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۲۷۳ ج ۱۔ [2] بیعت کے معنیٰ معاہدہ، عقبہ گھاٹی، اولیٰ پہلا۔ چونکہ معاہدہ پہلی مرتبہ ہوا تھا اور ایک گھاٹی کے قریب یہ حضرات بیٹھے ہوئے تھے اس لئے اِس کا یہ نام رکھا گیا۔

ابن زرارہ کے مکان پر ٹھہرے جو مدینہ طیبہ کے معزز رئیس تھے، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنا معمول یہ بنایا کہ انصار کے ایک ایک گھر دورہ کرکے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور قرآن مجید پڑھکر سُناتے۔ روزانہ ایک دو نئے آدمی اِسلام قبول کرلیتے۔ رفتہ رفتہ مدینہ سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا۔ اس طرح مدینہ منوّرہ میں ایک سال تک تعلیم و تربیت اور تبلیغ[1] کے بعد جب حج کے موقعہ پر حضرت مصعبؓ بن عُمیر مکہ معظمہ پہونچے تو اُن کے ساتھ ۷۲ یا ۷۳ مرد اور دو عورتیں بھی تھیں۔ یہ سب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوئے تھے۔

یہ لوگ اپنے گھروں سے چھُپ چھُپ کر روانہ ہوئے تھے، مکہ معظمہ پہونچ کر بھی پوشیدہ طور سے الگ الگ ٹھہرے رہے۔

جب حج سے فارغ ہوئے تو ایک گھاٹی میں جو

---

[1] تعلیم، سکھانا۔ تربیت، سدھانا۔ اور تبلیغ اللہ، رسول کے احکام پہنچانا۔ گویا تبلیغ تو غیر مسلموں کو ہوگی اور تعلیم و تربیت مسلمانوں کو ہوگی۔

پہلے سے طے کر لی گئی تھی یہ سب جمع ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ حضرت عباس آپ کے ساتھ تھے ان سب مردوں اور عورتوں نے دستِ مبارک پر بیعت کی، اس کو "بیعت عقبہ ثانیہ"[1] کہا جاتا ہے۔

سوالات

ایاس بن معاذ کون تھے اور مکہ معظمہ میں کیوں آئے تھے۔

ایاس اور سوید سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا کیا باتیں ہوئیں اور انھوں نے کیا جواب دیا۔

مدینہ منورہ میں اسلام کی پہلی کرن کن کے ذریعہ پہونچی۔

مدینہ منورہ کے لوگ کس سال سے اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے۔

بیعت عقبہ اولیٰ کا کیا مطلب ہے اور یہ بیعت کب ہوئی۔

بیعت عقبہ اولیٰ سے پہلے کتنے آدمی مسلمان ہو چکے تھے اور بیعت عقبہ ثانیہ میں کتنے حضرات اسلام سے مشرف ہوئے۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر نے مدینہ منورہ میں تعلیم و تبلیغ کا کام کس طرح انجام دیا۔

مدینہ منورہ کے وہ چھ آدمی جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے وہ کس قبیلے کے تھے۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۳۶۶

مدینہ چلنے کی درخواست

تیسری مرتبہ کی بیعت میں یعنی نبوت سے بارھویں سال جب یہ ۷۲ مرد اور ۲ عورتیں اسلام میں داخل ہوئے تو اسلام کے ان پروانوں نے یہ بھی درخواست کی کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے چلیں اور وہاں قیام فرمائیں۔

تم پہلے پڑھ چکے ہو کہ اس بیعت کے وقت حضرت عباسؓ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ حضرت عباس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ عمر میں چند سال بڑے تھے، ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتے تھے آپ پر جان چھڑکتے تھے اور اسی ہمدردی میں اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ آئے تھے کہ بیعت اور معاہدہ کرنے والوں کو ٹھ
جانچیں اور پرکھیں اور جو بات ہو خوب ٹھوک بجا کر ہو
چنانچہ جب مدینہ کے ان شیدائیوں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے مدینہ چلنے کی درخواست کی تو حضرت
عباس آگے بڑھے اور فرمایا۔

سوچو، کیا کہہ رہے ہو، محمّد (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم)
کا لیجانا معمولی بات نہیں ہے، بلکہ قریش کا مقابلہ کرنا
ہے اور قریش کے ساتھ سارا عرب ہے۔

خوب سوچ لو۔ محمّد (صَلَّی اللہ علیہ وسلّم) کی حمایت
سارے عرب کی مخالفت اور دشمنی ہے، کیا تم یہ
سب برداشت کر سکو گے۔

اور دیکھو محمّدؐ لاچار بےبس اور بے سہارا نہیں ہیں۔
دشمنوں کے مقابلہ میں ہم ہمیشہ محمّدؐ کی ڈھال بنے رہے
ہیں، ہم اب بھی تھکے نہیں ہیں، ہم محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم)
کی حفاظت کریں گے، اُن کو عزّت سے رکھیں گے، اگر
تم مرتے دم تک محمّدؐ کا ساتھ دے سکو تو ضرور
لے جاؤ ورنہ یہ ارادہ ہی مت کرو۔

مدینہ کے فدائی اُٹھے اور کہا۔

جس طرح ہم اپنے بچّوں اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ ہم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حمایت کریں گے، کوئی مکّہ کا ہو یا طائف کا یا کسی اور جگہ کا پہلے ہم میں سے ایک ایک کو ختم کردے اُس کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا بال بیکا کرسکے گا۔

حضرت عبّاس اُن کے جواب سے مطمئن ہوگئے، اب مدینہ کے ایک صاحب ابوالہثیم کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔

یا رسول اللہ بہت صفائی سے ایک بات عرض کرتا ہوں، گستاخی معاف ہو۔

یہودیوں سے ہمارے تعلقات ہیں، یہ تعلقات بہت ممکن ہے ٹوٹ جائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ جب اللہ تعالٰی آپ کو کامیاب فرمادے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنے وطن چلے جائیں۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مسکراکر فرمایا۔ نہیں،

نہیں یہ ممکن نہیں، تمہارا خون میرا خون، تم میرے اور میں تمہارا، جس سے تمہاری جنگ اُس سے میری جنگ اور جس سے تم صلح کرو اُس سے میں بھی صلح کروں گا۔ [1]

آپ نے فرمایا، اپنے میں سے بارہ شخص منتخب کرو جو اپنی اپنی برادری میں کام کریں گے اور وہ اس برادری کے نمائندہ ہوں گے چنانچہ قبیلہ خزرج کے ۹ اور قبیلۂ اَوس کے تین نمائندے منتخب کیے گئے جن کا خطاب "نقیب" تجویز کیا گیا۔

آپ نے انہیں باتوں پر عہد لیا جن پر "عقبۂ اولیٰ" کے وقت عہد لیا گیا تھا۔

البتہ ایک شرط یہ بھی تھی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حفاظت میں اپنی جانیں قربان کردیں گے چنانچہ جب یہ حلفِ وفاداری اُٹھا رہے تھے تو ایک صاحب کو جوش آیا وہ اُٹھے اور پکار کر کہا۔

بھائیو! خبر ہے؟ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو اور کس بات کا حلف اُٹھا رہے ہو؟

---

[1] ابن ہشام ص۲۶۶ ج ۱

دیکھو یہ عرب و عجم، جن و انس سے اعلان جنگ ہے۔ سب نے کہا، ہاں، ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔
پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف مخاطب ہوکر کہا۔
یا رسول اللہ ہمیں اس کے بدلہ میں کیا ملے گا۔
رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا خدا کی خوشنودی اور اُس کی جنّت۔
مجمع پکار اُٹھا۔ منظور ہے، ہاتھ بڑھائیے ہم بیعت کرتے ہیں۔[1]

صحابۂ کرام کو ہجرت کی اجازت

مدینہ منوّرہ میں اسلام کو پناہ ملی تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کو اجازت دی کہ مکّہ سے ہجرت کرجائیں، قریش کو معلوم ہوا اُنھوں نے روک ٹوک شروع کی لیکن چوری چھپے لوگ ہجرت کرنے لگے، آہستہ آہستہ سب ہی چلے گئے۔ حضرت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت

[1] ابن ہشام ص ۲۶۹

علی رضی اللہ عنہم رہ گئے یا وہ رہ گئے جو مفلسی سے مجبور تھے، وہ عرصہ تک نہیں جا سکے۔

سوالات

بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ میں کن کن باتوں کا عہد لیا گیا۔

بیعت عقبہ ثانیہ میں حضرت عباس کیوں ساتھ تھے اور انھوں نے کیا کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں سے کیا وعدہ فرمایا۔

مدینہ منورہ میں اسلام کی تبلیغ و تعلیم کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسا انتظام فرمایا۔

مدینہ منورہ میں کتنے نقیب مقرر کئے گئے۔ اُن میں خزرج کے آدمی کتنے تھے اور قبیلۂ اَوس کے کتنے۔

ہجرت کی اجازت کب ملی اور مکہ معظمہ میں کون کون باقی رہ گئے۔

پروانہ، فدائی، شیدائی، حلفِ وفاداری، بیعت اور ہجرت کے معنیٰ بتاؤ۔

قریش کا منصوبہ

قریش پریشان ہیں کہ اُن کی تمام کوششیں بیکار ہوئیں جس اسلام کو ختم کرنے کے لئے طرح طرح کے ظلم ایجاد کئے، تھے، وہ گھٹنے کی جگہ بڑھ رہا ہے۔

جن مسلمانوں کو بارہ سال تک دبایا اور گھونٹا تھا وہ راستہ کی ساری رکاوٹوں کو پھاندتے ہوئے ایک ایک کرکے مدینہ پہنچ چکے ہیں، جہاں وہ دن بدن طاقت پکڑ رہے ہیں۔ صرف آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بوڑھے ساتھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور نوجوان ساتھی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ مکّہ میں موجود ہیں، لیکن اگر یہ بھی مدینہ پہنچ گئے تو مسلمان ایک طاقتور جماعت بن جائیں گے، وہاں ان کا راج ہوگا اور یہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کریں گے۔

ان تمام باتوں کا خیال کرکے " مکہ معظمہ " کے کمیٹی

گھر میں جس کو " دارالندوہ" کہا جاتا تھا، قریش کے تمام چھوٹے بڑے سرداروں اور چودھریوں کا عام اجتماع ہوا، نجد کے ایک بوڑھے شخص نے بھی جو بہت عقل مند سمجھدار اور تجربہ کار مشہور تھا، اس اجتماع میں شرکت کی۔ لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ ایک نے کہا " محمدؐ" کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال کر مکان میں بند کردیا جائے۔ دوسرے نے کہا اونٹ پر بٹھا کر ملک سے باہر کردیا جائے، ابوجہل نے کہا ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی لیا جائے اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے ان کا خاتمہ کردے۔

اس صورت میں تمام قبیلے اُن کے خون کے ذمّہ دار ہوں گے اور اکیلا خاندان ہاشم سب قبیلوں کا مقابلہ نہیں کرسکے گا۔

ابوجہل کی رائے پر سب کا اتفاق ہوگیا۔ اور ایسے آدمی مقرر کردیئے گئے جو یہ کام انجام دے سکتے تھے

ہِجرت کا اِرادہ

اور

حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) کی تیاریاں

ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے ہجرت[1] کا ارادہ کر چکے تھے۔ صرف خدا کے حکم کے منتظر تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اس لئے رُکے[2] ہوئے تھے کہ آقاء دوجہان کی خدمت کرتے ہوئے

---

[1] مکہ کے آس پاس جو صاحب اثر مسلمان ہو چکے تھے انھوں نے اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے حفاظت کی ذمہ داری لی اور اپنے یہاں چلنے کی درخواست کی۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی جو قبیلۂ دوس کے سردار تھے اور اسلام سے مشرف ہو چکے تھے انھوں نے عرض کیا کہ قبیلہ دوس ایک محفوظ قلعہ کا مالک ہے' سرتاج دوجہاں وہاں تشریف لے چلیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معذرت فرمادی۔ بظاہر اس کی وجہ یہ تھی کہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ ہجرت کی جگہ ایک نخلستان ہے (جہاں کھجوروں کے بہت سے باغ ہیں) اور اس کے دوجانب پتھریلی زمینیں ہیں (بخاری شریف۔ باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو خیال تھا کہ وہ یمامہ ہوگا لیکن بعد میں منکشف ہوا کہ "مدینہ" تھا۔

[2] ایک مرتبہ تنگ آکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حبشہ جانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے

(باقی صہ ۵۹ پر)

ساتھ چلیں گے۔

آپ نے چار ماہ سے اونٹنیاں ببول کے پتے کھلا کھلا کر ہجرت کے لئے تیار کی تھیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۸) تھے لیکن راستہ میں "ابن دغنہ" مل گیا جو کہ با اثر رئیس تھا وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنی پناہ میں واپس لے آیا اور قریش کو آکر برا بھلا کہا کہ ایسا شریف، نیک نفس اور اہل خیر آدمی کا مکہ سے نکلنا تمہاری بہت بڑی رسوائی ہے میں نے ان کو پناہ دی ہے اب ان کو کوئی نہ ستائے۔ قریش نے کہا ہم نہیں ستائیں گے، البتہ اتنا کام حضرت ابو بکر کریں کہ قرآن شریف باہر نہ پڑھا کریں۔ اُن کے قرآن شریف پڑھنے سے ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری عورتیں اور ہمارے نوجوان قرآن سن کر بگڑ جائیں گے، چنانچہ کچھ دنوں حضرت صدیق نے اس کی پابندی کی پھر اُن سے نہ رہا گیا۔ مکان کے سامنے مسجد کا چبوترہ بنایا اور اس پر بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ حضرت ابو بکر رقیق القلب تھے۔ دل میں درد تھا تو آواز میں درد کیوں نہ ہوگا۔ سننے والوں پر اس کا اثر یہ پڑتا کہ راستہ چلتی عورتیں اور بچے کھڑے ہو کر سننے لگتے اور جمگھٹا لگ جاتا۔ قریش نے یہ دیکھا تو ابن دغنہ کے پاس پہونچے کہ ابو بکر کو سمجھایئے اُن کے قرآن سے ہماری عورتیں اور بچے بگڑے جا رہے ہیں۔ ابن دغنہ نے حضرت صدیق سے کہا کہ آپ مکان کے اندر قرآن شریف پڑھا کریں ورنہ میں آپ کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔ حضرت صدیق نے کہا مجھے آپ کی ذمہ داری نہیں چاہئے اللہ خود ذمہ دار ہے اُس کی پناہ کافی ہے۔ میں کلام اللہ کے پڑھنے میں کوئی پابندی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد جب صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ منورہ جانے لگے تو حضرت ابو بکر نے دوبارہ ہجرت کا ارادہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لینے آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی ٹھیرو۔ میرے ساتھ چلیو۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے تعجب سے پوچھا کیا آپ بھی تشریف لے جائیں گے (میری جان آپ پر قربان) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے توقع یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم میرے لئے بھی یہی ہوگا کہ مدینہ منورہ چلا جاؤں۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم صبح، شام حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے یہاں جایا کرتے تھے۔ لیکن آج ٹھیک دوپہر کی چلکتی ہوئی دھوپ میں آپ اپنے دولت خانہ سے نکلے، سر اور چہرۂ مبارک کو چادر سے چھپالیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یہاں پہونچے۔

حضرت ابوبکر گھبرا اُٹھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر لے گئے، اور دریافت کیا۔ یا رسول اللہ ؐ اس وقت کیسے؟

ارشاد ہوا کچھ مشورہ کرنا ہے، سب کو ہٹا دو، حضرت ابوبکر نے عرض کیا، یا رسول اللہ یہاں آپکے حرمؓ[1] کے سوا اور کوئی نہیں۔

آپ نے فرمایا مجھے ھجرت کی اجازت ہوگئی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے بڑی بے تابی سے پوچھا میرے ماں باپ آپ پر فدا کیا مجھ کو بھی ہمراہی کا شرف

---

[1] یعنی حضرت عائشہ رضؓ۔ کیونکہ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے نکاح ہو چکا تھا رخصتی نہیں ہوئی تھی۔

حاصل ہوگا۔ ارشاد ہوا ضرور[1]۔

حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ میں پہلے سے تمام انتظام کرچکا ہوں۔ دو اونٹنیاں چار ماہ سے کھڑی کر رکھی ہیں۔ ایک شخص سے معاملہ طے ہوگیا ہے وہ راستہ بتانے کے لئے ساتھ چلے گا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مگر کم ازکم ایک اونٹنی کی قیمت لینی ہوگی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، جیسا حکم ہوگا اُس کی تعمیل کروں گا۔ اگر حکم ہوگا قیمت بھی لے لوں گا ابھی حضور کیوں فکر کرتے ہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے قیمت طے کرلی، اس کے بعد اُس پر سوار ہونے کی منظوری دی۔

---

[1] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس پر اتنی مسرت ہوئی کہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑے حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ آج سے پہلے مجھے یہ تجربہ نہیں ہوا تھا کہ خوشی میں بھی انسان رونے لگتا ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۱۹۱ ج ۱)

سوالات

اُس جگہ کا نام کیا ہے جہاں قریش مشورہ کیا کرتے تھے۔

دارالندوہ کے جلسہ میں کیا طے ہوا۔

قریش نے کیا طے کیا اور ابوجہل نے کیا تقریر کی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اب تک ہجرت کیوں نہیں کی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ نے ھجرت کے سفر کے لئے کیا تیاری کر رکھی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پیش کی ہوئی اونٹنی کس شرط پر منظور فرمائی اور اس شرط سے تم نے کیا سبق لیا۔

اگر تم نے حضرت ابوبکر کی ھجرت اور ابن دغنہ کا کوئی واقعہ سُنا ہے تو بیان کرو۔

مکّہ معظّمہ سے روانگی

اور

غارِ ثور میں قیام

دونوں طرف سے تیاریاں ہو رہی ہیں۔ قریش کے سردار ایسے نوجوان مقرر کر رہے ہیں جو اللہ کے رسولؐ کو تلواروں کا نشانہ بنا سکیں اور رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے رفیقِ جاں نثار سفر کا انتظام مکمّل کر رہے ہیں۔

رات کی اندھیری نے پورے مکّہ پر کالی چادر تان دی تو قریش کے نوجوان تلوار اور خنجر ہاتھ میں لئے آستانۂ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر آ پہونچے اور راستہ گھیر کر بیٹھ گئے کہ آپؐ سو جائیں تو کام تمام کیا جائے[1]۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے قریش کو اس درجہ دشمنی اور نفرت تھی لیکن آپؐ کی امانت داری پر اب

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صـ ۲۸۹۔

بھی پُورا بھروسہ تھا، جس کسی کو مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا وہ آپ ہی کے پاس لاکر رکھتا تھا[1]۔ اِس وقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں۔ ھجرت کے وقت اِن امانتوں کا انتظام بھی کرنا تھا۔

وہ وقت آگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے آرام گاہ اور اپنے وطن عزیز کو خیر باد کہیں۔

آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا۔ میں چل رہا ہوں تم میری چارپائی پر میری چادر اوڑھ کر سو جاؤ، تاکہ کفار کو شبہ نہ ہو، تمہیں انشاء اللہ کوئی گزند نہ پہنچے گا[2]۔ صبح کو سب امانتیں واپس کر دینا، پھر مدینہ چلے آنا۔

وہ سورما جو قتل کرنے کا بیڑہ اُٹھاکر آئے تھے یہاں پہنچے تو بیٹھ کر سو گئے، جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے سونے کا انتظار کر رہے تھے، وقت پر خود اُن کی آنکھیں بند ہوگئیں، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور گھر کے آدمیوں کو خدا کے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام صہ ۲۹۱ [2] ایضاً صہ ۵ گزند: نقصان، تکلیف۔

سُپرد کیا۔ سورۂ یٰسین شریف کی آیتیں پڑھتے ہوئے باہر تشریف لائے اور کافروں کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے روانہ ہوگئے۔

آپ نے اپنے پیارے وطن پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا، مکّہ! تو کتنا پیارا شہر ہے، تو مجھے ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہے، مگر افسوس تیرے سپوت مجھے رہنے نہیں دیتے، واللہ میں تجھے ہرگز نہ چھوڑتا۔ اگر یہ نہ نکالتے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہلے سے منتظر تھے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے پہنچتے ہی مکان سے روانہ ہوگئے اور چار پانچ میل[1] کے فاصلہ پر جبلِ ثور کے ایک غار میں جاکر چھپ گئے۔

غار کے اندر گھسنے سے پہلے حضرت صدیق رض نے عرض کیا، یا رسول اللہ، آپ پر جان قربان تھوڑی دیر ٹھہر جائیے، میں صاف کرلوں، حضرت صدیق رض غار

---

[1] سرکارِ دوجہان (صلّی اللہ علیہ وسلم) کو پا برہنہ چلنے کی عادت نہیں تھی۔ اس وقت پا برہنہ چلنا پڑا تو تمام قدم مبارک زخمی ہوگئے، تلووُں سے خون نکلنے لگا۔ (شرح سیر الکبیر ص۴۴ ج۱)

کے اندر گئے، کوڑا کرکٹ صاف کیا، غار میں چند سُوراخ تھے۔ آپ نے ایک کپڑے کی کترین پھاڑکر سوراخ بند کئے، ایک سوراخ پھر بھی رہ گیا، اُس پر اپنا انگوٹھا رکھ لیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، اندر تشریف لائیے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے آقار دوجہان کو لٹا دیا، سر مبارک زانو پر رکھ لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمانے لگے۔

سُوراخ کے اندر سے کسی چیز نے اس زور سے حضرت صدیق کے انگوٹھے میں کاٹا کہ حضرت ابوبکر بلبلا گئے مگر سر مبارک زانو پر تھا، حرکت کرنا خلافِ ادب تھا اس لئے لہر اور ٹیس سب کچھ ضبط کی اور بدن میں جنبش نہ ہونے دی۔

تھوڑی دیر بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آرام سے اُٹھے تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ آپؐ نے وجہ دریافت کی اور جب معلوم ہوا کہ کسی چیز نے کاٹ لیا ہے تو آنحضرت (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ) نے

لعابِ دہن لگا دیا، وہ مرہم شفا تھا فوراً چین آ گئی۔
قدرت کا عجیب و غریب کارنامہ یہ تھا کہ صبح سویرے مکڑیوں نے غار کے منہ پر جالے تن دیئے اور ایک کبوتر نے وہیں گھونسلا بنا لیا۔ اب کسی کو بھی شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ اس غار میں کوئی آرام کر رہا ہوگا۔

سوالات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کیا ہدایت کی۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ معظمہ میں کیوں چھوڑا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت کدہ سے کس طرح روانہ ہوئے۔
جبل ثور مکہ معظمہ سے کتنے فاصلہ پر ہے۔
وہ عجیب باتیں بیان کرو جو غار ثور کے قیام میں پیش آئیں۔
رفیق، جاں نثار، آستانہ، امانت دار، آرام گاہ، وطن عزیز، گزند، زانو، جنبش اور کارنامے کے معنیٰ بتاؤ۔

کافروں کی پشیمانی

اور

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تلاش

وہ نوجوان جو قتل کے ارادہ سے آئے اور سو گئے تھے، آنکھ کھلی تو حجرے کی طرف لپکے۔ لیکن وہاں کیا رکھا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ چارپائی پر آرام فرما رہے تھے اور جن کی تلاش تھی اُن کا پتہ نہ تھا۔ بہت غصّہ آیا جھونجل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ گستاخیاں بھی کیں آپ کو کھینچتے ہوئے "حرم" تک لے گئے، وہاں آپ کو بند کردیا لیکن بے کار تھا۔ اس لئے تھوڑی دیر بعد چھوڑ دیا اور آنحضرت صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی تلاش شروع کی۔

ابوجہل کچھ ساتھیوں کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر پہونچا۔ حضرت ابوبکر کی بڑی صاحبزادی حضرت "اسمار" سامنے آئیں، پوچھا تمہارے باپ کہاں ہیں۔

حضرت اسمار نے جواب دیا۔ مجھے خبر نہیں ابوجہل نے ایسا زور سے طمانچہ مارا کہ حضرت اسمار کے کان کی بالی نیچے گر گئی [1]

پھر شہر کے اندر اور باہر سب جگہ تلاش شروع ہوئی، کچھ لوگ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے اتنے قریب پہنچ گئے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو اُن کے پاؤں نظر آرہے تھے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان۔ یہ پہنچ لئے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اطمینان سے فرمایا۔

گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص۲۹۳ ج ۱

کبوتر کے گھونسلے اور مکڑیوں کے جالوں نے اس وقت کام کیا، ان کافروں نے جب گھونسلا اور جالے دیکھے تو یہ سمجھ کر کہ یہاں کوئی نہیں ہوگا، واپس ہوگئے، اور اس طرف آنے والوں کو بھی روک دیا۔

حضرت صدیقؓ کے گھرانے کی خدمات

اور

قربانیاں

تنہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اُن کے گھر کا ہر شخص اس کام میں تن من دھن سے لگا ہوا تھا۔ [1]

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ رات کو غار میں ساتھ سوتے صبح موُنھ اندھیرے شہر چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا مشورے کر رہے ہیں، جو کچھ خبر ملتی رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے۔

آپ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا رات کو کھانا پہونچاتیں، مدینہ طیبہ کے لانبے سفر کے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۲۹۱

لئے ناشتہ تیار کر کے چمڑے کے ناشتہ دان میں بھر دیا
نطاق (پٹکہ) جس کو عورتیں کمر سے لپیٹتی تھیں، پھاڑ کر
اُس سے ناشتہ دان کا موتھ باندھا۔ یہ وہ شرف تھا
جس کی بنا پر حضرت اسمار کو "ذات النطاقین" (دو
نطاق والی) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

آپ کا غلام عامر بن فُہیرہؓ کچھ رات گئے بکریاں
چَرا کر لاتا، آپؐ اور حضرت ابو بکرؓ اُن کا دودھ پی لیتے
صبح سویرے پاؤں کے نشانوں کو مٹاتے ہوئے بکریوں
کو چرانے کے لئے لے جاتا۔

تین دن تک اسی طرح سلسلہ جاری رہا، قریش آس
پاس سب جگہ ڈھونڈ کر تھک گئے۔

حضرت ابو بکرؓ کے والد ماجد ابو قحافہ زندہ تھے ابھی
تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، آنکھوں کی بینائی جاتی رہی
تھی، جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی روانگی کی خبر پختہ
ہو گئی تو ابو قحافہ مکان میں آئے اور فرمانے لگے۔ لڑکیو!
ابو بکرؓ تو چلا گیا، بتاؤ کچھ تمہیں خرچ کے لئے بھی دے گیا
ہے؟ حضرت اسمارؓ بولیں، دادا جان، خدا کا فضل ہو

ہمارے پاس بہت کچھ ہے۔

ابوقحافہ۔ دکھاؤ کہاں ہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کچھ ٹھیکریاں کپڑے میں باندھ کر گڑھے میں دبادی تھیں، دادا میاں کا ہاتھ پکڑا، گڑھے کے پاس لے گئیں اور کہا دیکھو دادا جان یہ ہیں؛ کپڑے میں لپٹے ہوئے ہم نے زمین میں دبا رکھے ہیں۔

دادا میاں مطمئن ہو گئے مگر گھر والوں کا اطمینان اللہ کی ذات پر تھا۔

کیونکہ پانچ یا چھ[1] ہزار کا جو کچھ اثاثہ تھا، وہ حضرت ابوبکرؓ ساتھ لے گئے تھے، بال بچوں کو اللہ پر چھوڑ گئے تھے۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص۲۹۳ ج۱
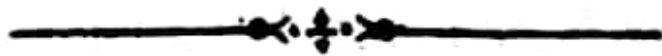
غارِ ثور سے روانگی

آسمانِ ہدایت کے سورج اور چاند یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے "یار غار" تین دن تک غارِ ثور میں رہے، چوتھے روز صبح سویرے دو اونٹنیاں پہونچیں۔

ایک پر سردار دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپؐ کے جاں نثار ساتھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سوار ہوئے دوسری پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہ اور وہ شخص جس کو راستہ بتانے کے لئے اُجرت پر مقرر کیا تھا، سوار ہوا۔ یہ چھوٹا سا قافلہ مدینہ کی طرف روانہ ہوا، سالارِ قافلہ کلام اللہ شریف کی تلاوت میں مشغول ہوگیا، اور صدیق اکبرؓ کی نگاہیں سب طرف دوڑ دوڑ کر دشمنوں کو کھوج رہی

تھیں اور اچانک حملہ سے حفاظت کا انتظام کر رہی تھیں ۔ یہ قافلہ مدینہ طیبہ کا عام راستہ چھوڑ کر ساحلِ سمندر پر آیا اور سمندر کے کنارے کنارے رابغ تک پہونچا ۔ جہاں فخرِ انبیاء (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) نے نمازِ مغرب ادا کی ' پھر پہاڑی دروں سے گذرتا ہوا مدینہ تک پہونچا ۔

قریش کی طرف سے انعام کا اعلان

سُراقہ بن جعشم کی دَوڑ دھوپ اَور ناکامی

قریش بہت دوڑے دُھوپے جب مایوس ہو گئے
تو اعلان کر دیا کہ جو شخص محمدؐ یا ابوبکرؓ کا سر
لائے گا یا اُن کو زندہ گرفتار کرلے گا اس کو انعام
میں سو اونٹ دیئے جائیں گے۔
بہت سے سورما۔ انعام کے شوق میں اِدھر اُدھر
دوڑے مگر ناکام رہے۔
سُراقہ[۱] بن جعشم قبیلہ بنی مُدلج کا ایک شخص تھا
ایک چوپال میں بیٹھا ہوا تھا، کسی نے آکر کہا، میں نے
کچھ آدمیوں کو سمندر کے کنارے اونٹوں پر سوار جاتے
دیکھا ہے۔ میرا خیال ہے یہ محمدؐ اور اُن کے ساتھی ابوبکرؓ

۱؎ نام اور ولدیت یہ ہے۔ سراقہ بن مالک بن جعشم یعنی باپ کا نام مالک ہے اور دادا کا نام جعشم ہے (سیرۃ ابن ہشام)

ہیں، سراقہ اپنے گھر پہونچا، گھوڑا منگوایا اور سوار ہوکر بتائے ہوئے پتہ پر روانہ ہوگیا۔ تھوڑی دیر میں اس قافلہ کو پالیا اور گھوڑا دوڑاتا ہوا بالکل قریب پہنچ گیا۔

دفعۃً گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور سُراقہ زمین پر آپڑا، فوراً اُٹھا، ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہیئے یا نہیں، جواب میں نکلا نہیں لیکن سو اونٹوں کا انعام ایسا نہ تھا کہ فال کی بات مان کر چھوڑ دیا جاتا۔

دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور آگے بڑھا، اب کی مرتبہ اتنا قریب پہونچ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کی آواز کانوں میں آنے لگی۔ حملہ کرنے والا تھا کہ گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور یہ نیچے آرہا۔

ہمت کرکے پھر کھڑا ہوا، گھوڑے کو ڈانٹا لیکن گھوڑے کے پاؤں اس طرح دھنسے ہوئے تھے کہ مشکل سے نکلے اور ساتھ ساتھ ایک دھواں سا زمین سے نکلا۔ اب پھر فال دیکھی جواب تو وہی تھا مگر اس مرتبہ وہ ہمت نہیں تھی اور یقین ہوگیا تھا کہ آثار کچھ اور ہیں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی مانگی اور پاس آکر تشریف

کے اعلان کا واقعہ سُنایا۔ اور درخواست کی کہ مجھ کو امن کی تحریر لکھ دیجئے۔ کچھ توشہ بھی پیش کرنا چاہا ان بزرگوں نے توشہ وغیرہ کی طرف توجہ بھی نہیں کی البتہ حضرت ابوبکر کے غلام عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ٹکڑے پر پروانۂ امن لکھ دیا۔ [۱]

سُراقہ واپس ہوئے تو راستہ میں ملنے والوں سے بھی کہہ دیا کہ اس طرف کوئی نہیں ہے میں دور تک دیکھ آیا ہوں۔ حُسنِ اتفاق یہ کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ شام سے تجارت کا سامان لے کر آرہے تھے۔ انھوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چند سفید کپڑے پیش کئے جو اس بے سروسامانی میں غنیمت تھے [۲]

---

[۱] یہ تمام تفصیل بخاری شریف کے باب ہجرت النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ماخوذ ہے۔ سُراقہ بعد میں اسلام لائے اور جب ایران فتح ہوا اور کسریٰ کے زیورات لوٹ میں آئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انھیں کو وہ زیورات پہنا کر عالم کی نیرنگی کا تماشا دیکھا۔ سیرۃ النبی ص۲ ج ۱۔

[۲] بخاری شریف باب ہجرت النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم۔

تاریخیں

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نبوّت سے تیرھویں سال ہجرت فرمائی یعنی ۲۷ر صفر (سنہ ۱۳ نبوّت) پنجشنبہ کے دن (مطابق ۱۲ر ستمبر سنہ ۶۲۲ء) آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم شب کے وقت مکّۂ معظمہ سے روانہ ہوئے۔

یکم ربیع الاوّل روز دوشنبہ (۱۶ر ستمبر سنہ ۶۲۲ء) کو غارِ ثور سے روانہ ہوئے۔ ۸ر ربیع الاول سنہ ۱۳ نبوّت روز دوشنبہ (۲۳ر ستمبر سنہ ۶۲۲ء) کو یہ مقدس قافلہ مدینہ طیبہ کے قریب قبا میں فروکش ہوا[1]۔ جو مدینہ منوّرہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے۔

---

[1] سر:، المخزدن و رحمۃ للعالمین ج ۲ تقویم ہجری وعیسوی مرتبہ ابو نصر محمد خالدی کے حساب سے یکم ربیع الاوّل کو ۱۳ر ستمبر سنہ ۶۲۲ء؛ اس حساب سے ۲۷ر صفر کو ۹ر ستمبر سنہ ۶۲۲ء۔

سوالات

تلاش کرنے والے جب غار کے قریب پہنچے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا کہا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو کیا جواب دیا تھا۔

غارِ ثور میں جب قیام تھا تو حضرت عبداللہ کے ذمہ کیا خدمت تھی اور عامر بن فہیرہ کیا خدمت انجام دیا کرتے تھے۔

حضرت اسماء کون تھیں۔ اُن کو ذات النطاقین کیوں کہا جاتا ہے۔

ابوقحافہ کون تھے اور حضرت اسماء سے اُن کی کیا بات چیت ہوئی۔

حضرت ابوبکر نے روانگی کے وقت کتنا اثاثہ اپنے ساتھ لیا تھا۔ اور کتنا گھر چھوڑا تھا۔

یہ قافلہ غارِ ثور سے کس تاریخ کو روانہ ہوا اور قبا کب پہونچا۔

قبا کہاں ہے اور کیا ہے۔

سُراقہ ابن جعشم کا واقعہ بیان کرو۔

سُراقہ بن جعشم نے ہارنے کے بعد کیا درخواست پیش کی اور اس کو کیا جواب ملا۔